

”پھر تم بہت شائی ہو — میں بھی اکیس برس کی ہوں... تم اگر کم عمر ہوتے تو بے حد گٹھی محسوس کرتی —“ اس نے لاپرواہی سے اُس کی ران پر ہاتھ رکھ کر کہا اور ذرا چوکنا ہو گیا۔ لیکن سینما ہال میں اندھیرا بہت تھا اور ساہنی کلکتے کے بازاروں میں بڑے کھولے مشقت کے پسینے میں انسانی بوجھ کھینچ رہا تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ اس جیسا مشقت کے باوجود وہ اپنی دو بیگمہ زمین رہن سے نہیں چھڑا سکے گا۔

وہ پتہ نہیں کس جانور کی کھال تھی جس کی ملائمت میں اُس کی ستوان ناک تھی اور کھال پر پسینہ کیسے آسکتا ہے اور اُس میں ایک وحشت بھری مہک آتی تھی جو اس سترہ سالہ بدن میں یوں سرایت کرتی تھی... جیسے... جیسے... کوئی اُس پستہ قد اور نہ انکار کرنے والی لڑکی کے ساتھ پتہ نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ وہ اُسے — اُر سلا کو گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ کوبلڈ سٹریٹ — ویران اور دُھند میں جلوں جہاں اُس کی ہائی ہیل کہیں کہیں اکٹتی تھی اور وہ اُس کا سہارا لیتی تھی... اور کب جانور کھال ختم ہوتی تھی اور کب اُس ستمبر کی سرد رات میں... نو ٹنگھم کے راہن ہڈ کاہل۔ قریب... ایک ڈھلوان پتھر پل گلی کی دیوار سے ٹیک لگائے.. اور وہ دیوار سے لگتی نہ تھی! مشاہد شرمندگی سے پیچھے ہٹا تھا...

سمور کے کوٹ کو اگر پسینہ آتا ہے تو اس میں گرم مہک تو نہیں ہوتی۔

”مجھے شک تھا کہ تم اکیس برس کے نہیں ہو — اور تم نہیں ہو“

”میں ہوں —“

”نہیں.. اگر تم ہوتے تو فائدہ اٹھاتے۔“

کوئی نے ہولے سے دستک دی، پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا — کچھ دیر انتظار کیا، آگے ہو کر ذرا زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر پیچھے ہوا، آواز کے لیے کلن لگائے، کوئی بولا۔ پھر اس نے مشاہد کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر دھیرے سے پینڈل کو گھمایا۔ کمرے کے اندر جھانکا۔

”وہ تو نماز پڑھ رہا ہے —“ اس نے آہستگی سے دروازہ پھر بند کر دیا۔

”کوئی نماز —“ مشاہد نے گھڑی پر نگاہ ڈال کر جلدی سے حساب لگایا۔

وقت — کونسی نماز پڑھ رہا ہے؟“

”مجھے کیا پتہ کونسی نماز.... میں تو عید کے عید پڑھتا ہوں“ کوکی نے گردن کھجاتے ہوئے بے آرام شرمندگی سے کہا ”گراف پیپر کسی اور سے مانگ لیتے ہیں — آؤ۔“

وہ ابھی لینڈنگ تک پہنچے تھے کہ انہیں اپنے عقب میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی.. ”مسٹر کوکی، مسٹر مشاہد آپ لوگ میرا دروازہ کون بجایا؟“ چوڑے منہ ماتھے والا گندی رنگ اور گھنگھریالے بالوں والا محمد مقدس علی عام مشرقی پاکستانیوں کی نسبت مضبوط دھکاٹھ کا تھا، اُن کا کلاس فیلو تھا اور اسی لیے وہ دونوں اس کے پاس آئے تھے۔

”بنگالی بابا —“ کوکی نے حسب عادت سگرٹ کو انگلیوں میں پھنسا کر مٹھی کو منہ پر ہمارا ایک زور دار سونا لگایا اور دھویں کی دو تیز آبخاریں نتھنوں میں سے خارج کرتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اپنی چوڑی مسکراہٹ سے اُسے نوازتا ہوا بولا ”گراف پیپر چاہئے۔“

”کیا کرے گا؟“

”یہ مشاہدی جو ہے یہ ٹنگ مشین کی ڈرائنگ نہیں بنا سکتا۔ خاص طور پر نیڈلز کے ٹپ ٹیڑھے بنا دیتا ہے... اسے سکھاؤں گا — اور میرے پاس گراف پیپر نہیں ہے۔“

”بہت ہے —“ مقدس کمرے میں گیا اور فوراً واپس آگیا ”یہ بہت ہے؟“

”بہت ہے —“ کوکی نے گراف پیپر گنے اور فائل میں رکھ لیے ”سوری تمہارا پیئر نام تھا تمہیں ڈسٹرب کیا۔“

”نیور مائنڈ —“

مقدس کمرے میں واپس جانے لگا تو کوکی نے پھر گردن کھجائی ”یار بنگالی بابا... یہ تم کونسی نماز پڑھ رہے تھے؟“

”نماز دُعا —“

”یہ کونسی نماز ہوتی ہے مقدس؟“ مشاہد نے پوچھا۔

”یہ کسی کے لیے اگر دل بہت دُکھتا ہے تو اُس کی کامیابی اور سلامتی کے لیے نماز پڑھتا ہے۔ اسے صلوٰۃ حاجت یا صلوٰۃ دُعا بولتے ہیں — آپ نہیں جانتے؟“

”اچھا...“ کوکی نے ایسے سر ہلایا جیسے صلوٰۃ دعا پڑھنا اس کی زندگی کا معمول رہا ہو، ایک اور سونا لگا کر اس نے مقدس کے گل کو چھوتے ہوئے اپنی مسکراہٹ مزید چوڑی کر

دی ”تو کوئی گوری پھنساؤ گے... اپنی کامیابی کے لیے دعائیں مانگ رہے ہو — یار مجھے یہ نوٹکا بتا دو میں بھی نمازیں پڑھنے لگوں گا — ”کوکی ہنسا اور پھر اس نے مقدس چہرے کو دیکھا جس پر ایک سیاہی تھی جو یہ کہتی تھی کہ جو تم کہتے ہو وہ مجھے پسند نہیں اور کوکی نوراً سنجیدہ ہو گیا کہ وہ چہرے پڑھنا جانتا تھا ”کس کے لیے دعا کر رہے ہو مقدس مقدس نے اوپر چھت کی طرف دیکھا اور مشاہد نے اُس کی آنکھوں کو بھرا دیکھا ”بہت مصیبت ہے مسلمانوں پر مسٹر کوکی — یہ جو بدماں ہے آنٹھونی ایڈن اس اور اس کے بدماں ساتھیوں نے، فرانس والا اور بد بخت اسرائیل والا نے مل کر ہمارے پر حملہ کر دیا ہے —“

”اچھا؟“ کوکی نے مشاہد کی طرف دیکھا ”کب؟“

”ٹیلی ویژن پر آیا ہے سب بدماں — پورا ہوٹل کاسٹوڈنٹ ادھر کاسن روم بیٹھا تھا جب نیوز میں انہوں نے دکھایا کہ یہ بدماں لوگ نہر سویز کو نیشنلائز کرنے کا نفاذ برداشت نہیں کیا اور حملہ کر دیا سب شیطان لوگ نے — اور پیراشوٹ والا فوج آتا پورٹ سعید میں اور اسے بالکل برباد کر دیا — تو میں کاسن روم سے اُٹھ آیا کوکی مائی فر — ہم رونے لگا پر اُن کافروں کے سامنے ہم نے اپنے کو روک دیا کہ وہ سب بہت فخر تھا انگریز لوگ تو اُن کے سامنے ہم نے سوچا کہ محمد مقدس علی مسلمان کا عزت ہے ان سامنے نہیں روئے گا، اللہ سے مدد مانگے گا — اس لیے صلوٰۃ دُعا پڑھ رہا تھا مصری بھائی کے لیے —“

کوکی کے ہونٹ جو ہمیشہ تھوڑے سے ڈھیلے رہتے تھے مزید لٹک گئے اور اس اونچے دانت نظر آنے لگے۔ اس نے جلدی سے سگرٹ بجھا دیا جیسے وہ کسی چرچ کے اندر داخل ہونے کو تھا... مشاہد نے متعدد بار اپنی گل کو ناخنوں سے کھرچا اور سر جھکا لیا۔ بہت دنوں سے جمال عبدالناصر نیوز میں تھا...

بہت دنوں سے نہر سویز نیوز میں تھی —

اگرچہ ناصر بار بار کہتا تھا لیکن دوسری جنگ عظیم کے گھمنڈ میں مغرب یہ سوچ نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسا کر دکھائے گا۔ سویز فرانس کی ملکیت ہے... جیسے انڈونیشیا نے جاوا دیا ہے، کائکو، سلیم کے شاہ کی ذاتی ملکیت ہے... فلاں معاہدے کے تحت فلاں ملک تک بین الاقوامی قانون کے مطابق — سویز فرانس کی ہے۔

اور جس روز جمال ناصر نے سوز کو قومیا نے کا اعلان کیا تو اس روز کوئی بھی اس پر نہیں کرنے کو تیار نہ تھا — بے یقینی کے بعد اُبلتا ہوا نفرت انگیز غصہ آیا اور ایک مچھر کو پکڑنے کے لیے ہاتھی حرکت میں آ گئے۔

نیچے ہوٹل کے کامن روم میں طالب علموں کا ایک بین الاقوامی اجتماع تھا... ہانگ کانگ کے چینی — انگریز، فرانسیسی، ہندوستانی، پاکستانی، اطالوی... ویسٹ انڈینز... اور یہ سب تازہ ترین نیوز بلیٹین کے بارے میں بحث کر رہے تھے۔ برطانوی لڑکے، ٹویڈ جیکٹس اور سوئڈن شوز اور شاید پاپ بھی، کرسیوں سے ٹیک لگائے اطمینان سے بیٹھے ٹیلی ویژن کی سکرین کو مسکراتے ہوئے دیکھتے جاتے تھے۔ جب کبھی اتحادی فوجوں کی شاندار کامیابی کی کوئی رپورٹ فلیش ہوتی تو وہ صرف ایک نظر سب کی طرف دیکھتے کہ یہ تو ہونا تھا... ایک ذراتی عمل جاری ہے... اور یہ ناصر — وہ تینوں بھی نیچے اترے اور کامن روم کے ہجوم میں جگہ بنا کر ادھر ادھر جہاں نشست ملی، بیٹھ گئے۔ نیوز بلیٹین ختم ہوا تو ٹیلی ویژن آف کر گیا۔

ایک بڑی — خصوصی یہودی ناک والا لڑکا امبر تو — اتھلیٹک بدن، پست قد اور ت ذہین کم از کم آٹھ زبانوں پر عبور رکھنے والا یہودی امبر تو... میرا باپ اطالوی ہے اور فرانسیسی... جرمنی میں بھی رشتے داری ہے، کچھ پولش بھی ہیں جویدش بولتے ہیں... بیروہم سب سیکھتے ہیں زور پڑھنے کے لیے۔ اسرائیل میں دو برس سکول میں گیا تو مقامی بول سے عربی سیکھ لی۔ ایک خالہ روس میں ہیں — اور انگریزی تو میں بول ہی رہا ہوں — اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ اپنے مطالعے کے زور پر لائف ب ہو چکا تھا اور اس کے باوجود وہ اول تا آخر یہودی تھا۔ کالج کے لڑکے اس کے ساتھ بحث میں اُلجھنا مناسب بلانہ کرتے تھے صرف اس لیے کہ اُسے بے شمار علوم پر عبور حاصل تھا اور وہ لحظے میں فکری نتیجے پر پہنچ جاتا تھا... ”دی آریبز — دے آر کاورڈز —“ اُس نے میز پر مکہ مار کر لائن کیا اور پھر ہتھیلی پھیلا کر سب کی جانب دیکھا ”وہ اتنی تیزی سے ہتھیار ڈال رہے ہیں کہ اسرائیلی فوجی اُن کے ہتھیار اٹھا نہیں سکتے... ہم صحرائے سینا میں پیدل چلتے ہوئے سیر رستے گئے ہیں... وہ بھیڑیوں کی طرح بھاگ گئے... میرے لفظ یاد رکھنا اگلی صدی — رائٹل کی ہے۔“

”جب اسرائیل کسی کی پشت پناہی کے بغیر تنہا کسی عرب ملک سے لڑے گا تب

ہم مان جائیں گے —

امبر تو نے جو ایک عظیم تر اسرائیل کے خواب کو اپنے سامنے ٹیلی ویژن بننے دیکھ چکا تھا ایک زخمی جانور کی وحشت سے پلٹ کر دیکھا کہ کون بولا ہے...! تھا... نوجوان پاکستانی جو اس کی آنکھوں میں ایک ساٹ احساس کے ساتھ بے خوف رہا تھا ”ایک غریب اور پسماندہ ملک پر تین سپر پاورز کا حملہ... اس ان بیڈ ٹیسٹ ”ان بید تیسٹ؟ —“ رولینڈ بہت حیران ہوا کیونکہ پورے کامن رومنہ مخمور مسرت اور ناقابل تنبیخ فتح کی کیفیت تھی اور یہ مشرقی لڑکا کچھ اور کہہ رہا تھا ایک فرانسیسی لبرل تھا لیکن سویز کی نیشنلائزیشن نے اس کی لبرل ازم کا گلا گھونٹ دیا اپنی اس آبائی جائداد کی واپسی کے لیے مصر کی مکمل تباہی اور بیشتر عربوں کو ہمارے حق میں اب قانونی اور اخلاقی جواز پیش کرنے میں سب سے آگے تھا اور مشاہدہ نہ صرف متعجب ہوا تھا بلکہ اسے شدید دکھ پہنچا تھا ”دی سویز — از فرنج“ اس سکیٹر کر کہا ”ناصر ایک لیڈر ہے۔ ہم اسے قانون توڑنے کی سزا دے رہے ہیں۔ رہے ہیں۔ دیش آل...“

”اولڈ مین ایڈن نے بالآخر درست سمت میں قدم اٹھایا ہے —“ بیل نہایت بردبار اور غیر جذباتی تھا ”ناصر نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کی ہمارا مذہب اقوام کا فرض ہے کہ قانون کی سرپرستی کے لیے مناسب اقدام کرے صرف اور صرف قانونی حیثیت کا مسئلہ ہے... ناصر کو کیا حق تھا کہ وہ سکندریہ کے کھلے عام سویز کو اپنی جاگیر بنالینے کا اعلان کرتا...“

جیک میکڈوگل جو اگرچہ ایک تعصب زدہ سکاٹ تھا اور ہمیشہ ساتھی انگریز دکھانے کی فکر میں رہتا تھا آج اس کی بھی فریکوئنسی بدلی ہوئی تھی ”مین تم نے کہ کتنی آسانی سے پورٹ سعید کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ہے... اور جے لیڈ... مابینڈ یوسکائش لیڈز پیراشونوں سے وہاں اترے ہیں تو میں تمہیں ج بتاتا ہوں مصری اپنے مورچے چھوڑ کر فرار ہو گئے — ہاں — اپنی لاشوں کی بجائے اپنے بوٹ پیچھے چھوڑنا زیادہ بہتر جانا —“

اس پر ایک ہلکا سا مذہب قہقہہ بلند ہوا۔
”آئی ایم ٹیلنگ یو —“ جیک جیسے خود محاذ جنگ سے واپس آیا

مصری فوجی تھے وہ ڈگ ان تھے اور پیراشوٹ رجمنٹ کو نیچے سے مرغایوں کی طرح شوٹ کر سکتے تھے لیکن... وہ یا اللہ یا اللہ کہتے بھاگ گئے... یہ جو موزلم ہیں، مجھڑن... یہ سب ایسے ہوتے ہیں۔“

”ڈونٹ سپیک۔ ڈونٹ سپیک —“ مقدس یکدم کھڑا ہو گیا اور اُس کا چہرہ سرخ ہار ہو رہا تھا ”دس میٹر مائی ریلیجن... اینڈ یو... یو...“ وہ انگریزی میں زیادہ رواں نہ تھا بلکہ بالکل رواں نہ تھا اور اُس نے بے چارگی سے مشاہد کی طرف دیکھا ”ان کو بولو کہ ہم موزلم ہیں... الحمد للہ... ہمارے خلاف بات کرے گا تو ہم جان دے دے گا — بولو...“

”مسلمانوں کے حوالے سے بات مت کرو جیک...“

”لیکن مثیل — وہ بھاگ گئے مورچے چھوڑ کر — میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ جج ہے —“

”ہو گا — لیکن ڈونٹ ٹاک اباؤٹ مسلمانز —“

”یہ —“ نامیخیرین مہدی محمد بالآخر ایک درشت لہجے میں بولا ”مسلمانوں کی بات مت کرو... کیونکہ میں ہوں... اور ڈونٹ ٹاک اباؤٹ محمد —“

”ٹھیک ہے —“ جیک نے ان کے تیور دیکھے تو جان گیا کہ اسے اب کچھ نہیں کہنا چاہئے ”میں کچھ نہیں کہوں گا —“

”لیکن میں کہوں گا —“ امبر تو کھڑا ہو گیا اور اس کے گتھے ہوئے بدن کے سامنے مہدی محمد بہت ناتواں لگتا تھا ”تاریخ کا ذکر کرنا کوئی جرم نہیں... ان عربوں نے اپنی زمینیں فوجیودیوں کے ہاتھوں فروخت کیں — دے آر گڈ فار تنہنگ... یہودیوں نے صحرا آباد کیے، بستیاں تعمیر کیں اور... اگر تم بلندی سے نیچے دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اسرائیل اور عربوں کی سرحد کونسی ہے... ایک جانب لش گرین فیلڈز ہیں اور دوسری طرف صحرا اور ریت... اور یہ ایریز... بلڈی بدو...“

”ڈونٹ سپیک —“ مقدس پھر کھڑا ہو گیا ”بدوؤں کو بلڈی مت کہو... مائی ریلیجن...“

کامن روم کا دروازہ کھلا اور ہوٹل کا وارڈن جیسے خطرے کی بُو سونگھتا اندر آ گیا۔ اُس نے اپنی براؤن مونچھوں کو تاؤ دیا سکاچ زدہ زرد دانتوں کی فخریہ نمائش کی اور اُننگی اٹھا کر کہنے لگا ”لیڈز — انگلینڈ از اے فری کنٹری — لیکن تمہیں سیاسی اختلافات پر لڑنے

کی فریڈم نہیں ہے... بیک ٹو یور رومز... پلیز۔“
بادلِ خواستہ سب اٹھنے لگے۔

آج بھی ایک گیلی دُھند کا رواں فریب اُن پتھر ملی گلیوں میں تھا جو دیران
راہن ہڈ کاسل کی جانب بلند ہو رہی تھیں....

سٹریٹ لائٹس بھی قدیم وضع کے لیمپوں کی شکل میں تھیں اور جہاں سے
صدر دروازے کو راستہ جاتا تھا وہاں ایک لیپ کے نیچے حفاظتی دیوار سے ٹیک لگا
جوڑا دلدل کی صورت میں تھا اگرچہ دُھند کی وجہ سے کم دکھائی دیتا تھا... یہاں
گیلری نما راستہ جو قلعے کی فصیل کے گرد بل کھاتا ہوا جا رہا تھا اس پر چلتے ہوئے
لگا اور دُھند میں اس کا سانس بھی سفید بھاپ کی طرح الگ نظر آنے لگا۔

وہ اس اصطلبل نما سیاہ دُھوئیں سے کالے سیاہ ہونے والے شہتیروں کے
والے قدیم شراب خانے میں داخل ہوئے تو لکڑی کی بے آرام لیکن تاریخ زدہ کرسی
بہت دیر سے منتظر اُرسلا اور انگے نے اپنے تھکتے ہوئے بدنوں کو ذرا پہلو بدل کرنا
اور اُنہیں متوجہ کرنے کے لیے اپنے ہاتھ بلند کر دیئے — کاؤنٹر پر رکھے ٹیلی ویژن
کرائس کے بارے میں ایک نیوز بلیٹن چل رہا تھا لیکن آواز بہت مدہم تھی۔
”ہا — “ کوکی دونوں بازو ایک شکرے کی طرح پھیلائے اپنی بلند
مسکراہٹ سجائے ایک بہت عمدہ گرے سوٹ اور اودر کوٹ میں اور مظفر کو لا پورا
گردن میں ڈالے اُن کی طرف بڑھا اور پہلے انگے کو گلے لگا کر اُس کے رخسار
پر شور بوسہ دیا اور پھر اُرسلا کا ہاتھ تھام کر اس کی ہتھیلی کی پشت پر اپنے باعزت
چھوئے ”کیا ہم تاخیر سے آئے ہیں؟“ انگے کی آنکھوں میں بہت کچھ چمک رہا تھا
لاچار محبت میں مبتلا لڑکی کی طرح کچھ بے وقوف سی ہو رہی تھی اور اُس کے بدن
شرارے پھوٹ رہے تھے۔ اُرسلا، مشاہد کی جانب دیکھ رہی تھی اور اس یقین کے
دیکھ رہی تھی کہ یہ لڑکا اکیس برس کا ہرگز نہیں ہے ورنہ یہ بھی اپنے دوست کا
آتے ہی کم از کم میرے رخسار پر ایک ہلکا سا بوسہ تو ضرور دیتا۔

”آپ کیا پیس گی؟“ کوکی نے پوچھا اور وہ اب تک ضبط کئے بیٹھی رہی
کیونکہ انگلستان میں انگریزی سیکھنے کے لیے آنے والی غیر ملکی لڑکیاں بجٹ کے معاملے

ہٹ ہٹ ہوتی ہیں اور اُن کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی مناسب ڈیٹ انہیں ایک شام کے لیے باہر لے جائے اور اُن کی ڈل روٹین میں دراڑ ڈال دے۔ پاکستانی عام طور پر اس ڈیٹنگ فریضے کے لیے از حد پُر جوش ہوتے ہیں۔

”بیر پلیز —“ اُنکے نے کوکی کی جانب ایک بھیڑ کی معصومیت سے دیکھا، ایک بی بھیڑ جو جلد از جلد ذبح ہو جانا چاہتی ہو۔

”میرے لیے سکاچ — پلیز — آن راکس“ اُر سلا بولی۔

”ادھو —“ کوکی نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا ”یو آر اے بگ گرل — اور تم

ہاں؟“

”آ — اور نج جوس پلیز“

دو دنوں لڑکیاں یکدم چپ ہوئیں اور پھر اپنے بلانڈ بال جھٹک کر ہنسنے لگیں کوکی نے بھی دانت نکال دیئے ”یو آر اے بگ بوائے“ مثل — بی اے بگ بوائے بیر؟“

”نہیں۔“ مشاہد نے فوراً کہا اور اس ”نہیں“ میں اُس کی ساری پرورش تھی۔ اُس کا گھر اور اس کے ماں باپ تھے۔ وہ رحل تھی جس پر رکھے سید پارے کودہ آگے پیچھے لٹکا اور جھومتا پڑھتا تھا اور سارے خوف تھے گناہ اور ثواب کے اور — روزہ کھولنے کے لیے شکر دہر میں ہی بادام کوٹ کر اُن میں دودھ ملانے کا عمل تھا اور — ایک کشش بھی لی۔

”کچھ بھی —“ بگ بوائے یا کسی اور نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔

اور وہ لیموں کے نچوڑ کے ساتھ سفید رنگت کا ”کچھ“ تھا۔

”انگلستان کے قدیم ترین شراب خانے میں ہاں سب گانڈ بکس میں درج ہے۔ رابن ہڈ کاسل کی یہ پب سینکڑوں برس سے چلی آ رہی ہے اور انگلستان کی سب سے پرانے پب ہے۔ تو یہاں شراب نوشی کا آغاز کرنا ایک بہت ہی مقدس عمل ہے —“ کوکی نے خصوصی طور پر اپنی بھیڑ پر نظر رکھتے ہوئے اپنا گ اٹھا کر ایک پُر جوش انداز میں نعرہ ”بیر پلیز —“

تین چار گمز کے بعد — تین چار لیموں کے نچوڑ کے ساتھ ”کچھ“ کے بعد — دیکھ بھرے پب میں سیاہ شہتیروں کے نیچے۔ ایک گرم اصطل نما شراب خانے میں کوکی گلوگیر ہوا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے ”مجھے ... یوں تو یہ درخواست مکمل

تمائی میں کرنی چاہئے۔۔۔“ اس نے اِنگے کا ہاتھ پکڑ کر اُس کی نیلی خمار آلود آنکھیں دیکھتے ہوئے کہا ”لیکن — مجھ میں مزید انتظار کی سکت نہیں ہے — اور یوں مجھ — اور مثیل تم — گواہ رہنا — کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ — لیکن اس سے — جانب سے ایک ایک اور ڈرنک —“ وہ ڈولتا ہوا اٹھا اور کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

بلیک اینڈ وہائٹ نیلی ویشن پر پورٹ سعید کے بلے اور بربادی کی تصویریں رہی تھیں۔۔۔ نہر سوز کے پانیوں میں اُن جہازوں کے ڈھانچے ساکت تھے جنہیں اتحادیوں کا راستہ ہلاک کرنے کے لیے ڈبو دیا تھا۔

کوکی ایک ڈشنگ ٹائٹ کی طرح چلتا ہوا واپس آیا اور اس کی انگلیوں ڈرنکس پر روئی ہوئی تھیں ”چیریز — مڈلن ریر آئیز — اور بائمر آپ۔۔۔“

سب لوگ ایک ہی سانس میں سب کچھ پی گئے۔

”تو میں کہہ رہا تھا —“ کوکی کہہ رہا تھا ”آپ گواہ رہے گا —“ اُس میں سے ایک — انگوٹھی برآمد کی ”مثیل جانتا ہے کہ یہ انگوٹھی —“ اُس آنسو پونچھا ”یہ انگوٹھی میری ماں نے — اور میں اپنی ماں سے کتنی محبت کرتا“ ایک اور آنسو پونچھا ”تو یہ انگوٹھی میری ماں نے مرتے وقت مجھے دی تھی اور کہا کئی سو برس سے یہ انگوٹھی ہمارے خاندان میں چلی آ رہی ہے۔ اسے اُس لڑکی ہمارے ہو بننے کے قابل ہوگی۔ جس کے ساتھ تم زندگی میں پہلی بار محبت میں — اور اِنگے —“ وہ بہت ہی گلوگیر ہو گیا ”اور اِنگے۔۔۔ وہ لڑکی تم ہو۔“

اِنگے ایک مسحور کبوتر کی طرح بیٹھی آنکھیں جھپکے بغیر سن رہی تھی۔ اُس مسحوریت کے سکتے میں اپنا ہاتھ آگے کر کے ایک اُننگی الگ کر دی۔ کوکی نے اپنے جذبات کو بمشکل قابو میں لاتے ہوئے اسے انگوٹھی پہنادی اور پھر اُسلا اور مشاہدہ میں ایک ضرورت سے زیادہ طویل بوسہ اس کے لبوں پر ثبت کیا اور اس بوسے کی بے چینی شامل تھی کہ وہ اب یہاں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی، لیٹنا چاہتی تھی اور یہ چاہتا تھا۔

نیلی ویشن پر ”پاکستان“ کا لفظ سنائی دیا۔

پاکستان — ہو کیرز اباؤٹ پاکستان — دُھواں زدہ شہتیر اور اُن میں سگروں، سگریٹوں اور پائپس کا دُھواں — موٹی بدرنگ بھورے بالوں والی دُھواں

وہاں اُن کی تھل تھل چھاتیوں کو چھوتی تھیں — اور کون گا رہا ہے، برنگ بیک مائی
 ٹوئی — یہ بونی کون ہے... اور اسے کیوں واپس بلایا جا رہا ہے... ہو کیئرز اباؤٹ

اُن کی سلتی آنکھیں صرف کوکی کو دیکھتی تھیں۔ وہ بیئر کا ایک گھونٹ بھرتی تھی
 پھر کوکی کو دیکھتی تھی اور اگر ادھر ادھر دیکھتی تھی تو صرف اپنی انگلی میں جگمگاتی منگنی کی
 انگی کو دیکھتی تھی۔

شراب خانے کا دروازہ جب بھی کھلتا تو باہر کی بخ ہوا چروں کو اتنی دیر چھوتی جتنی
 یہ دھند کھاتا۔ دھند کا ایک غبار بھی بے آواز ساتھ چلا آتا جو شراب خانے کے اندرون
 مدت سے اپنی سفیدی فوراً کھو بیٹھتا — اُرسلا میں عام جرمن لڑکیوں والی بے تابی
 تھی، اُس کے چہرے اور بدن میں ایک ٹھہراؤ تھا جو انتظار کر سکتا تھا اور وہ انتظار کر
 ی تھی۔

مشاہد بار بار اپنی آنکھوں کو ملتا کیونکہ اُن میں دھواں اثر کرتا تھا اور اُرسلا دیکھتی
 کیا ایک اکیس برس کا نوجوان اپنی آنکھوں کو اس طرح بچوں کی مانند ملتا ہے — اُس
 نے پوکا ڈاٹ فرائیڈ کا گلابت نیچے تھا اتنا نیچے تھا کہ اُس سے نیچے نہیں ہو سکتا تھا۔ اور
 اب بھی مشاہد اُس سے کچھ کہتا تو وہ آگے ہو کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہتی ”ہاں مشیل
 —“ اور جب وہ آگے ہوتی تو فرائیڈ سے الگ ہو جاتی اور سفیدی اور روئیں دائروں میں
 بٹے لگتے۔

اور وہ انتظار کر رہی تھی۔

”میرا خیال ہے اب ہمیں چلنا چاہئے —“ اس نے مشاہد کا بازو چھوا ”کیوں
 نہیں؟“

سب کچھ دھوئیں اور دھند میں تھا۔ یہ دھند اُس کی رگوں میں اُتر کر ایک مخمور
 ریش کر رہی تھی اور وہ اس کے لطف میں بھی تھا اور اس کے خوف میں بھی تھا۔ اُس کی
 آنکھیں پہلی بار یہ دیکھنے کے قابل ہوئیں کہ اُرسلا کی آنکھیں بہت نیلی اور خاموش ہیں
 اور اُس کے ہونٹ بہت بھیکے ہوئے ہیں جیسے سڑا بریز بارش کے بعد ہوتی ہیں۔

وہاں جتنے بھی لوگ تھے وہ سب ایک خاص مستی میں تھے جو حدود سے باہر نہیں
 جاتی تھی، اُن کی آوازیں بھی ایک خاص سطح سے بلند نہیں ہوتی تھیں اور جب وہ گاتے

تھے اور وہ یہی گارہے تھے کہ برنگ بیک مائی یونی ٹومی — تو ایسے، جیسے ایک دور
سنارہے ہوں.... اس مدہم اور دھوئیں بھرے شور میں ایک مرتبہ پھر ٹیلی ویژن پر
”پاکستان“ کا نام لیا —

ہو کیرز —

سامنے صرف اُرسلا تھی — اور بارش میں بھگی ہوئی دو سڑابریز تھیں۔
”کوکی اور رائے کہاں ہیں؟“

”انہیں گئے ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے مثیل —“ اُرسلا کا ہاتھ تلر رہا
تھا۔

”کہاں؟ — کہاں گئے ہیں؟“

اُرسلا نے پھر اس کا ہاتھ تھپکا۔

”میں ہو شل کیسے واپس جاؤں گا؟“

”یو آر اے بگ بوائے۔ تم اکیلے ہو شل واپس جاسکتے ہو — کیا ہم بھی چلے
اُس نے مشاہد کے جواب کا انتظار نہیں کیا بلکہ انھی اور کرسی کی پشت پر رکھے ہو
کوٹ کو اٹھایا اور پہننے لگی۔

مشاہد بھی کرسی سے اٹھا اور اُس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اُرسلا اُس کے قریب
اُس کا بازو تھاما اور کہنے لگی ”کیا دیکھ رہے ہو؟“

”میری برساتی —“

”وہ تم نے پن رکھی ہے ڈارلنگ بوائے —“

سامنے کانٹنر کے ایک کونے میں ٹیلی ویژن پر متحرک تصویریں تھیں۔ اس نے
جھٹک کر انہیں پہچاننے کی کوشش کی.... مشرق وسطیٰ کے علاقے کے ایک ایکہ پرت
رائے دے رہے تھے۔ انٹرویوز — پیراشوٹ — عمارتوں کا ملبہ — نہر سوہنما
ہوئے جہاز اور پورٹ سعید میں مسکراتے ہوئے اتحادی فوجی اور انتھونی ایڈن۔
بنجیدہ.... اور ایک مرتبہ پھر ”پاکستان —“ نیوز کاسٹر کی آواز اس کے کانوں میں ٹھہر
جیسے سرگوشیاں کرتی چلی جا رہی تھی.... پاکستانی وزیر اعظم.... حسین شہید سہروردی
اتحادیوں کے حملے کی حمایت کرتے ہوئے کہا ہے.... اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ
سوہنما.... دے پاکستانی پری میئر سیڈ.... اینڈ زیر و پس زیر واز ایکل ٹو زیر و....

”یہ ہمارے وزیر اعظم کو کیا ہوا ہے؟“ اس نے اُرسلا کا بازو پرے کرتے ہوئے کہا
 ”کون زیرو ہے؟... سب عرب... ہم؟... کون زیرو ہے؟“

”یہ سیاست دانوں کی باتیں ہیں مثیل، ہمارا ان سے کیا تعلق — تمہیں پتہ ہے
 ان میں تم سے محبت کرتی ہوں اگرچہ تم اکیس برس کے نہیں ہو — آؤ اب چلتے ہیں۔“
 باہر دُھند بہت گہری ہو چکی تھی، اتنی گھنی کہ انہیں اُس گیلری کا ایک پتھر بھی
 فُٹائی نہیں دیتا تھا جس پر انہیں چلنا تھا۔ کھد رے پتھروں پر کہیں کہیں وہ ٹھوکر کھاتا تھا اور
 اُرسلا اسے سنبھالتی تھی۔ قلعے کے پھانگ کے ساتھ جو حفاظتی دیوار تھی اور جہاں ایک
 لم لیپ کی ناکافی روشنی دُھند کے سفید جال سے باہر نہیں جا پا رہی تھی وہاں اب وہ جوڑا
 وجود نہ تھا۔ اُرسلا نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگالی — اور اس کی رگوں میں جو دُھند اتر
 لی تھی اس کی مستی میں راستے بہت تھے اور وہ محکم اتنی شدت رکھتی تھی کہ اسے بار بار
 نہ کے راستے سانس لینا پڑتا جو اس کے گرم پسینے پر پھیلتا اور وہ بیچ میں سے سمٹ جاتی..
 ”بی جمنٹل —“

”ہُو کیرز — زیرو پلس زیرو — از — برابر ہے زیرو... یہ کیسا بیان ہے.. میں
 بر تو نہیں کرتا لیکن...“

”تم نے ایک مدت سے ناخن نہیں کاٹے —
 ہُو کیرز —“

اندھیرے کونوں کھدروں میں نارنج کی روشنی ڈالتا، چیک کرتا ایک بالی چلا گیا..
 انہیں چندھیا گئیں اور پھر تاریکی ہو گئی جس میں لیپ کی روشنی دُھند میں دفن ہو رہی
 تھی۔

”مثیل —“ اس کے کانوں کی قربت میں اس نے سرگوشی کی ”آؤ گھر چلتے
 ہیں۔“

انہیں بہت آہستگی سے۔ چوروں کی طرح، کارٹون کرداروں کی طرح بچوں پر چلتے
 سانس روکے ہوئے، ہر سیڑھی پر قدم رکھتے اپنے آپ کو سہکت رکھتے ہوئے اوپر
 اڑا تاکہ سخت گیر لینڈ لیڈی بیدار نہ ہو جائے..

اُسے قطعی طور پر علم نہ تھا کہ وہ کہاں ہے کیونکہ اُرسلا نے ازراہ احتیاط روشنی
 لٹائی تھی۔

”میں ہو مثل واپس کیسے جاؤں گا —“

”صبح سویرے جب روشنی ہوگی تب —“

نرا پیکل جنگلوں میں ایسی گیلی حدت ہے کہ اس میں سے دھواں اٹھتا ہے اور
کے اندر دُھند میں سیڑھیاں اترتی ہیں جو ایک دلدل میں بدل جاتی ہیں... بلند درختوں
سے بارش کے قطرے نیچے آتے ہیں اور راستہ دکھائی نہیں دیتا... جنگل گرین ہیں اور
بھی گرین ہوں... میں سبز کیسے ہو سکتا ہوں... ان میں جانے کے لیے گائڈ کی خدمات
ہیں صرف اپنے آپ کو سنبھالنا ہے —“

”تم کبھی کسی کی محبت میں مبتلا ہوئے ہو؟“

”ہاں... میں... سمیعہ... نہیں نہیں، صرف ایک لاکٹ تھا اور اس کے نیچے

میں محبت میں مبتلا ہوا ہوں —“

”وہ کون تھی؟“

”ایوا گارڈنر — تم اسے جانتی ہو؟“

”اُرسلا چپ رہی پھر اس کی دبی دبی ہنسی سنائی دی ”اسے کون نہیں جانتا تھا“
بہک گئے ہو۔“

”نہیں میں سچ کہتا ہوں۔ میرے ہاتھوں میں ابھی تک اس کے بازو پر
مہک ہے... ہاں واقعی —“

”ڈونٹ بی بے —“

”نہیں اُرسلا —“ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا ”تم بے شک سو گئے لو —“ اس نے

انگلیاں اندھیرے میں اُدھر کیسے جدھر اُرسلا کا چہرہ ہو سکتا تھا۔

”ان میں جو مہک ہے وہ یقیناً ایوا گارڈنر کی نہیں —“

”تم نے اس کی فلم بھوانی جکشن دیکھی ہے؟“

”نہیں —“

”میں نے انگلینڈ پہنچتے ہی جو پہلی فلم دیکھی تھی وہ ”بھوانی جکشن“ تھی۔ اور

ایک منظر ہے جس میں مکان کو آگ لگ چکی ہے اور ایک رکھ کر دار ایوا کو گود میں
باہر لاتا ہے اور اُس کی جان بچا لیتا ہے — کیا تم یقین کر سکتی ہو کہ یہ منظر ہمارے
میشن میں شوٹ ہوا تھا... ہمارے فلیٹ کی باون سیڑھیاں ہیں... میرا خیال ہے

بک کو نہیں جانتیں، وہ ہمارے ہمسائے تھے... ہاں واقعی وہ منظر میرے سامنے شوٹ ہوا

”اچھا —“

”میں واقعی سچ کہہ رہا ہوں —“

اُرسلا کا رد عمل بہت سرد اور بیزار ہو گیا ”کیا ہم بھوانی جنکشن کے بارے میں کسی ردِ گفتگو نہیں کر سکتے —“

”بالکل —“

گرم ٹراپیکل جنگلوں میں دستک... جہاں زینہ زینہ اتر رہی ہے رات — رات
 زینے دھواں آلود بارشوں میں اپنے منہ کھولتے ہیں اور ایک کائنات حرکت میں ہے
 یہ زمین ابھی سرد نہیں ہوئی اور ابھی جگہ جگہ لاوا اُبل رہا ہے اور اُس پر دھواں معلق
 ہے اور زبان دھکتی اور کنتی چلی جاتی ہے... تمہ در تمہ زینے تاریکی کے اندر اُترتے ہیں...
 جمل... ایک سرگوشی ہے اور اس کے برابر میں ایک اور سرگوشی ہے... زیروپس زیرو...
 سننے لگتا ہے۔

”مثیل —“

”زیروپس زیرو اِز ایکل ٹو زیرو —“

”سلی بوائے کیا کہہ رہے ہو؟“

”زیروپس زیرو —“ اُس کی آواز یکدم اپنا حصار توڑ کر بہت بلند ہو گئی۔

”مثیل —“ اُرسلا کی آواز میں ہراس تھا..

”ہس اُرسلا —“ یہ دستک تھی اور لینڈ لینڈ کی آواز تھی ”اندر کون ہے۔“

بلی اور نا آسودہ آواز۔

ایک جانوروں والی حس تھی راستہ تلاش کرنے کی کہ میرا غار کدھر ہے — گھر
 لگا ہے — اسی حس کے تابع وہ رات کے پچھلے پہر بے آباد اور ابھی تک دُھند کے
 بے بیس مبتلا کولڈ سٹریٹس میں ٹھوکریں کھاتا چلتا رہا...

دُھند مزید گہری ہو چکی تھی اور شیر وڈ فارسٹ کے نزدیک اس میں وہ بھید اور گہرا
 جس میں سے عجیب غیر قدرتی شکلیں ظاہر ہوتی ہیں... درختوں کی شاخیں سانس لیتی
 لگتی ہیں اور وہ زندہ ہونے لگتے ہیں۔ دُھند کے حصار میں سے نکل کر وہ قریب آنے

لگتے ہیں — اس خاموشی میں وہ اپنے قدموں کی چاپ سنتا جا رہا تھا اور اس چاپ میں
کاہندہ سب سے بلند سنائی دیتا تھا۔

اس کے بدن میں تھکاوٹ تھی، کسی گند بلیڈ سے شیو کرنے کے بعد جیسے چلنا
جلد ہوتی ہے... شیروڈ جنگل کے ایک حصے میں ہوا چلنے سے ایک سرسراہٹ ہوئی اور
اُسی لمحے خاموشی پھر اُتر آئی۔

”تم ایک کچے اور بیوقوف لڑکے ہو اور واقعی زیرو ہو اور میں تمہیں پسند
کرتی۔“ یہ آواز اس کی پشت پر تھی جب وہ اپنی برساتی پن کر کمرے سے باہر آ رہا تھا
کیا محبت اور زینہ زینہ اُترنے والی رات کا رشتہ اتنا کچا اور عارضی ہوتا ہے —
اُس کے قدموں کی چاپ بلند ہو گئی...

شیروڈ جنگل میں ہوانے پھر ایک راستہ بنا کر سرسراہٹ کو جنم دیا۔
اور قدموں کی چاپ جسے صرف دُھند سن سکتی تھی۔

اور زیرو —

پس زیرو —

از ایکلُ ٹو زیرو —

بت لے اور لکتے اور سیاہ رنگ کے مفلران دونوں کے قدموں میں آ آ کر اُبھتے
 تھے اور وہ لاپرواہ مسرت اور جوانی کے بخار میں پتے پتے ہوئے چلتے تھے۔
 نیلے سفید دھاریوں والے تھری پیس سوٹوں سے میچ کرتی ہوئی رسلک کی نیوی بلو
 بلیاں اور بائیں ہاتھ میں ناک سے ذرا بلندی پر ترچھے تھامے ہوئے پائپ جن میں سے
 جواں اُنھے مدت ہو چکی تھی — اس لیے بھی کہ انہیں بہت دیر سے ہنسنے سے ہی
 رمت نہیں ملی تھی یہاں تک کہ اُن کے سنڈے بیسٹ پر جو ستائش بھری نظریں اُٹھتی
 تھیں وہ اُن کو بھی وصول نہیں کر رہے تھے۔

”نہیں یار —“ مشاہد ہنستا جا رہا تھا لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ بائیں ہاتھ میں
 ناپائپ مناسب اور متعینہ بلندی پر ہی فضا میں معلق رہے کہ یہی ران دوگ تھا۔۔۔
 ”ہاں ہاں —“ بابو نے دوبار سر ہلایا ”رستم کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔“

اور رستم ایک ایرانی گدھ تھا جو ”ال گریکو“ کے ایک مخصوص کونے میں سر شام
 اُٹھتا تھا اور چہرے پر ایک بھید بھری دانائی طاری کر لیتا تھا، لا تعلق سا ہو کر، سیاہ چشمے کے
 نقب میں اگرچہ اُس کی گدھ آنکھیں دکھائی نہیں دیتی تھیں لیکن ہر سوتا کتی تھیں۔ سفید
 رساتی میں اور نفاست سے ترشی ہوئی فرنیچر کٹ داڑھی میں وہ خاصا مدبر اور گہری سوچ میں
 ڈوبا ہوا لگتا تھا اور انہیں تب خبر ہوتی جب اس کا کونہ خالی ہوتا اور وہ کسی لڑکی کے ہمراہ
 دبے پاؤں بلکہ دبے پنجوں کافی بار سے نکل جاتا اور پھر اُسے دبے پنجوں اپنے کمرے میں
 مکمل کر لیتا کہ ۱۹۶۰ء میں ابھی تک وکٹورین اخلاقیات اور قیود کی گرہیں مضبوط تھیں۔

”اُسے کچھ دکھائی نہیں دیتا اور جب وہ سب سے آخر میں اپنی دبیز عینک اُتارتا ہے
 اور لڑکی کی جانب اندازے سے دیکھتا ہے اور ایک گریگوری پیک والی مسکراہٹ چہرے پر
 نکالتا ہے تو اس سے زیادہ احمق شکل کا کوئی جانور روئے زمین پر نہیں پایا جاتا —“
 ”تمہیں کیسے پتہ ہے یار —“

”مجھے جوائے نے بتایا ہے —“

”ہوں —“ مشاہد ایک لمحے کے لیے رُکا اور ”اوہ جوائے —“ کہہ

اور پھر چلنے لگا ”اور جوائے بی بی نے تمہیں اور کیا کیا بتایا ہے؟“

اے تھنگ آف جوائے از جوائے فار ایور...

جوائے اگرچہ ایریکا ٹوئنگ سے بہت پہلے پیدا ہو چکی تھی اور ظاہر ہے

”فیر آف فلائنگ“ بھی نہیں پڑھ رکھی تھی لیکن وہ معاملاتِ من و تو میں ایریکا کی

تھی۔ ابھی دو من لب کا زمانہ دور تھا لیکن وہ ایک باختیار اور انتہائی فراخ دل لڑکا

مشاہد اور بابو کے اور شائد ایک دو اور غیر ملکی لڑکوں کے سوا وہ سب پر ہاتھ صاف

تھی۔ ایریکا کی طرح وہ اپنے گیلے انڈر گارمنٹس سے وی آنا تو نہیں البتہ نوٹنگم

گلیاں باسانی صاف کر سکتی تھی اور پھر بھی گنجائش رہ سکتی تھی — ایک دو مزید گلی

لیے — ایک سیٹر ڈے نائٹ پارٹی میں وہ بہت دیر تک مشاہد کو ایکسٹ کرنے کی

کرتی رہی اور جب ناکام ہو گئی تو مشاہد نے اس سے بلا جھجک پوچھ لیا کہ جوائے

آسان کیوں ہو؟ — میں آسان نہیں تم مرد حضرات آسان ہو۔ میں بہت کم ایسے

سے ملی ہوں جنہوں نے میری پیشکش کو ٹھکرایا ہو۔ دیکھو مشیل میں پی ایچ ڈی کر رہی

اور اس کے لیے جان لیوا اور شدید پڑھائی کرنی پڑتی ہے اور میں یہ ہرگز انورڈ نہیں

کہ کسی ایک لڑکے کے ساتھ پہلے ڈیننگ کروں، چچگانہ محبت کا اظہار کروں، سینما کی

نشستوں پر سموچنگ کروں اور والٹائن ڈے کارڈز وغیرہ بھیجوں اور — وقت ضائع

— اور چونکہ میرے بدن کی کچھ بیالوجیکل نیڈز ہیں چنانچہ میں کوئی ایک لڑکا پسند کرتی

اور اُسے جا کر براہ راست آفر دے دیتی ہوں کہ اگلے دس منٹ میں ہم دونوں بہتر

سکتے ہیں... بیس منٹ میں، اگر تمہارا گھر زیادہ دور ہے — دراصل میں تم لوگو

ایکسپلاٹ کرتی ہوں اپنے فائدے کے لیے اور چونکہ تم اس وقت موڈ میں نہیں ہو

گرل فرینڈ کا انتظار کر رہے ہو جس کا بدن شائد مجھ سے بہتر ہے اس لیے میں

گھٹنکھریالے بالوں والے ہونق پاکستانی لڑکے کے پاس جا رہی ہوں — لیکن وہ تو

فیکٹری مزدور ہے اور ان پڑھ ہے... اور... جوائے نے اسے شرارت سے چھوا اور کہنے

میں نے اس سے کوئی لیٹر ٹاپ نہیں کروانا... جوائے یقیناً ایریکا سے کئی قدم آگے تھی

اس کی مشہور فلاسفی ”زپ لیس...“ کو اس سے بہت پہلے اختیار کر چکی تھی۔

”اور جو اے بی بی نے تمہیں اور کیا کیا بتایا ہے؟“

بابو یہ قصہ بیان کرتے ہوئے مسلسل ہنس رہا تھا ”زُستم عینک اُتار چکا تھا... اور وہ بیک ظاہر ہے سب سے آخر میں اُتارتا ہے اور جو اے ہاتھ روم میں سے باہر آ رہی تھی اور زُستم ہاتھ پھیلائے ایک اسمٹرکٹ مسکراہٹ کے ساتھ جُتتی آنکھوں سے اُدھر دیکھ رہا تھا ہر اس کے خیال میں اس کی آرزو کھڑی تھی اور وہ پتہ ہے کیا کہہ رہا تھا اور ذرا گا کر کہہ رہا تھا — کم ٹوٹی... کم ٹوٹی اور مائی ڈارلنگ کم ٹوٹی — مائی ڈارلنگ جو اے نے کیا کیا — کپڑے پہنے اور چپکے سے اُس کے کمرے سے باہر آگئی اور وہ خالی ہاتھ پھیلائے کہ وہ ابھی ان میں آئے گی مسکرا رہا تھا اور بے حد گرم جذبے کے ساتھ گائے چلا جا رہا تھا، کم ٹوٹی... اور مائی ڈارلنگ کم ٹوٹی —“

”واقعی اے تھنگ آف جو اے از جو اے فار ایور —“ مشاہد نے ایک مرتبہ پھر اپنے طویل مفکر کو اٹھا کر گردن کے گرد لپیٹا اور ناک کے اوپر معلق پائپ کو نیچے کر کے ایک کش لیا۔ اس نے ہونٹوں کو سکپٹر کر ان میں سے برآمد ہونے والے متوقع دھوئیں کو دیکھنے کی کوشش کی ”بجھ گیا ہے — بابو پٹیل یہ جو تمہاری ضد ہے ناں کہ ہر سنڈے ہم دونوں ایک جیسا لباس زیب تن کر کے رابن ہڈ کاسل کے راستے دریائے ٹرینٹ تک پیدل مارچ کریں.. میری سمجھ میں نہیں آتی... آخر ہم سگار کیوں نہیں پی سکتے — پائپ ہمیشہ بجھ جاتا ہے۔“

”پائپ بہت ضروری ہے چوہدری... اس لیے کہ پی۔ جی۔ وڈ ہاؤس....“

”نو مور وڈ ہاؤس —“ مشاہد نے فوراً اپنے قدم روکے اور دھمکی دینے کے انداز میں اُس کے سینے پر اُننگی رکھ دی ”اس کم بخت وڈ ہاؤس نے میری زندگی برباد کر دی ہے۔“

وڈ ہاؤس اس ہندو بچے کی فکیشن تھا۔ وہ اُس کے کرداروں کے لباس، خوراک، بول چال اور Isay Jeeves کا مرید تھا... اُس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ چاہے صرف ایک دن کے لیے لیکن اُسے ریوز جیسا بلٹر مل جائے.. پائپ ناک سے کتنی بلندی پر معلق رکھنا چاہئے شائد یہ بھی وڈ ہاؤس کی ہدایات کے مطابق تھا۔

”بابا تم چلو تو سہی... گولڈی انتظار کر رہی ہوگی —“

گولڈی کے نام پر مشاہد کا موڈ بھی قدرے بحال ہو گیا ”وہ ہمیں اکاموڈیٹ کرے

گی ناں؟“

”بالکل — بچھ جائے گی ہمارے سامنے — تم چلو تو سہی۔“

شیر وڈ فارسٹ کے قریب گولڈی کا کھوکھا تھا...

گولڈی — ستر برس سے زائد سُرُخ تھل تھل چہرے اور بھورے گولڈی جس کی آنکھیں کبھی نیلی جھیلیں ضرور ہوتی ہوں گی لیکن اب گدلے ہاتھیں بابو کو دیکھ کر کھل اُٹھی — چونکہ اس کا کھوکھا بہت چھوٹا سا تھا اس لیے طرح باہر آ کر کھلی اور بابو کو شکنجے میں لے کر ”مائی سویٹ بے بی“ کہہ کر خوب خوش بابو ذرا بدحواس ہو گیا کیونکہ وہ اس قسم کے والہانہ استقبال کے لیے ہرگز تیار نہ تھا۔ مشاہد کی ناک نے البتہ اُسے خبر کر دی کہ گولڈی گرمیوں کی اس صاف اور آسمان والی سنڈے مارنگ میں گیارہ بجے بھی ”ٹن“ ہے اور اسی لیے یہ تفصیلی الا کے حصے میں آ رہا تھا۔

”یہ مثیل ہے میرا پاکستانی دوست —“ بابو نے سنہلنے کی کوشش کر کہا۔

”اچھا تو یہ مثیل ہے —“ کہہ کر گولڈی مشاہد کی طرف بھی آئی لیکن مدد دفاع کے لئے چوکس ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیئے چنانچہ گولڈی اس کے ہاتھ پکڑ کر صرف ایک دو سر آہیں بھرنے پر ہی اکتفا کیا ”آہ مثیل مائی سویٹ گولڈی کے کھوکھے میں وہ سب کچھ تھا جو شیر وڈ فارسٹ میں سیر کرنے آنے والوں کو درکار ہو سکتا تھا۔ پکچر پوسٹ کارڈ۔ سگرٹ، سگار، سویٹس، سوئیٹز، فلمز اور اس قسم کی الا بلا —

”ٹھیک ہے تم دونوں آج شام ہی شفٹ کر جاؤ۔ میں پچھلے پہر تمہارے کم ڈسٹنگ کر دوں گی اور گل دانوں میں تازہ پھول بھی سجا دوں گی — یو آر کلی بوائے اتنا زبردست روشن اور بلند فریج وندوز اور لکڑی کے فرش والا کمرہ، ایک ایرانی بھی... اور شہر کے عین مرکز میں اور پھر میں تمہیں ایسے ایسے ناشتے بنا کر کھلاؤں گی آر کلی —“ یہ آخری یو آر کلی کو بہانہ بنا کر گولڈی نے مشاہد کی بے خبری سے فائدہ اور اس کے گل پر زبردست بوسہ دیا اور پھر اپنے آپ میں خوش ہنستی ہوئی اپنے میں گئی اور اس میں بھر گئی ”سویٹس فار مائی سویٹ ڈارلنگز...“ اس نے سوس چاہی

دوبارہ نہیں تھمادیں۔

”یار یہ تو بڑی خوفناک مائی ہے۔“ مشاہد نے رومال سے اپنے گال پونچھا ”یہ اس بڑبڑا چائی سے آگے تو نہیں جائے گی۔“

”نہیں یار۔۔۔“

”اور تمہیں یقین ہے کہ ہم شوکت ہینڈسم کے گھر کی نسبت گولڈی کے کمرے میں زیادہ سُکھی رہیں گے؟“

”یقیناً۔۔۔ بابا میں نے کمرہ دیکھا ہے۔ کمرہ کیا ہے ایک رائل ہال ہے۔ جس میں صرف میں اور تم ہوں گے اور گولڈی ہمیں ناشتہ سرو کر کے اپنے کاروبار پر چلی جایا کرے گی اور پھر وہ پورا گھر ہمارا ہو گا بابا۔ اور صرف چار پاؤنڈ ہفتے کے یار۔ ہم واقعی خوش قسمت لڑکے ہیں۔“

شوکت ہینڈسم یا عام لفظوں میں شوکت سمجے کو وہ میل بریز بھی کہتے تھے۔

وہ انگلستان میں سمگل ہونے سے پیشتر لاہور لوکو ورکشاپ میں ریل گاڑیوں کے زبے پینٹ کرتا تھا اور یہاں اپنا تعارف لوکو انجینئر کے طور پر کرواتا تھا۔ نوٹنگھم کی کسی فیکٹری میں وہ جو کچھ بھی کرتا تھا اُس کے اوور ٹائم اور اپنی کمینٹی کنجوسی کے زور پر اس نے دو برس کے اندر اندر قسطوں پر ایک پڑانا وکٹورین گھر خرید لیا تھا اور اب باقاعدہ لینڈ لارڈ کہلاتا تھا۔ مشاہد اور بابو اُن دنوں ہوٹل کی زنجیروں سے آزاد ہونا چاہتے تھے۔ لگے بندھے شیڈیول کی پابندی میں زیادہ سے زیادہ ایک برس بندھا جاسکتا ہے لیکن اُس کے بعد آزادی کی طلب ہوتی ہے۔ چنانچہ شوکت سمجے کی چرب زبانی کرائے دار کے طور پر انہیں اس کے گھر لے گئی۔ انہیں پہلے روز ہی احساس ہو گیا کہ کہ غلطی ہو گئی ہے۔

شوکت گنجائیک کامن تھیف تھا۔ اُس کے پاس ایک ماسٹر کی تھی اور جونہی وہ دونوں کمرے سے باہر نکلتے وہ اُن کا تالہ کھول کر اُن کی ایک ایک شے سوگتھا، پرکھتا اور کوئی ایسی چیز غائب کر دیتا جیسے فوری طور پر مس نہیں کیا جاتا۔ ایک شام وہ دونوں باہر نکلے۔ گلی کے کونے پر مشاہد کو یاد آیا کہ وہ اپنی ٹیلی فون ڈائری میز پر بھول آیا ہے۔ وہ واپس گیا تو کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور شوکت گنجائیک کے سوٹ کیس میں ہاتھ چلا رہا تھا۔ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟۔۔۔ ہی ہی۔۔۔ میں نے کیا کرنا ہے۔ شوکت گنجائیک کا بے غیرت شخص تھا اور مجال ہے کہ شرمندگی کا کوئی شائبہ اس کے پستہ قد بدن پر رکھے